حکم و عبر

ڈاکٹر ابصار احمد

اسلام اور سیکولرزم

یہ مقالہ خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کی برسی کے موقع پر ادارہ ثقافتِ اسلامیہ
کے زیرِ اہتمام منعقدہ تقریب میں ۷ فروری ۸۰ء کو لاہور میں پڑھا گیا۔

اہلِ علم کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ مختلف تہذیبی، علمی اور ثقافتی الفاظ و تصوّرات ایک خاص روایت سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا ایک مخصوص زبان سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اور بالعموم ان کا مفہوم کسی دوسری زبان کے ایک لفظ میں کاملتاً منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ بالفاظِ دیگر اصطلاحات کے معانی و مفاہیم مختلف مباحث کے پس منظر (Context) میں یکساں نہیں رہتے۔ اور یہ حقیقت مختلف تہذیبوں اور نظامہائے افکار کے تقابلی مطالعے میں بدرجۂ اتم واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔

میں اس مقالے میں قدرے تفصیل سے اس امر کا جائزہ لوں گا کہ "ریلیجن" یعنی مذہب اور "سیکولرازم" کے الفاظ اور ان کے جملہ مفاہیم کی کیفیت اسلام کے بنیادی اصول و فکر کے حوالے سے کیا بنتی ہے اور اس ضمن میں یہ بھی وضاحت کرنے کی کوشش کروں گا کہ آج کل بعض اصحابِ علم و دانش کن مغالطوں کا شکار ہو کر اسلام اور سیکولرازم کے موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور بالکل غلط طور پر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کے افکار اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔[۱]

---

[۱] مثلاً پروفیسر وارث میر اپنے حالیہ سلسلۂ مضامین 'نوید فکر' میں سیکولرازم اور جدیدیت کی حمایت کرتے ہوئے خلیفہ عبدالحکیم کو اپنا مؤید اور ہم خیال تصوّر کرتے ہیں۔

"ریلیجن" اور "سیکولرازم" کی مغربی فکر میں دوئی اور کسی حد تک نظری و فکری مخاصمت میرے خیال میں ناقابلِ تردید حد تک واضح ہے۔ "سیکولرازم" کی جو تعریف انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس مطبوعہ ۱۹۰۵ء (ایڈیٹر، جیمز ہسٹنگز) میں دی گئی ہے اس کے مطابق انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں یورپ میں پیدا ہونے والی اس فکری تحریک کے پس پردہ مخصوص سیاسی اور فلسفیانہ محرکات تھے۔ اس کا نقطۂ نظر مذہب کے بارے میں اکثر و بیشتر منفی رہا ہے۔ انسانی زندگی اور ضابطۂ حیات کے بارے میں یہ ایک مکمل نظریہ ہے جس میں مذہبی اور مابعدالطبیعاتی معتقدات کی بجائے اصل زور مادی وسائل اور انسانی سوچ پر ہے۔ اگرچہ انگلستان میں اس نقطۂ نظر اور "سیکولرازم" کی اصطلاح کو رواج دینے والے سیاسی اور سماجی کارکن جارج جیکب ہولی اوک (۱۸۱۷ ـــ ۱۹۰۶) کی کوشش تھی کہ اس فکر کو صرف سماجی خوشحالی مادی ترقی اور سیاسی آزادی کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے اور عیسائیت دشمنی کو اس کا لازمی عنصر نہ خیال کیا جائے۔ لیکن اس کے بعض اہم رفقاء بالخصوص چارلس بریڈلا، چارلس واٹس اور جی ڈبلیو فٹ مذہبی عقائد کی تردید پر مُصر تھے۔ اور مادی ترقی اور دنیاوی خوشحالی کے لئے ابطالِ مذہب اور الحاد کو ضروری تصور کرتے تھے۔ اس تحریک سے وابستہ افراد کا بنیادی فکر یہ ہے کہ مذہب اور سائنس کا تعلق دو علیحدہ اور مختلف دنیاؤں سے ہے ـــ سائنس ہمیں اس مادی دنیا کا علم دیتی ہے۔ چنانچہ ہر وہ چیز یا ہر وہ علم جس کا تعلق اس آب و گِل کی دنیا سے ہے، سیکولر ہے اور انسان کو چاہیئے کہ وہ مختلف علوم، انسانی مشاہدات و تجربات اور عقل و خرد کی بنیاد پر زندگی کا لائحۂ عمل طے کرے اور سیاسی و معاشرتی نظام وضع کرے۔ سماجی و معاشرتی قوانین کا پہلو پہلے بھی عیسائیت میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رفعِ عیسیٰؑ کے بعد جلد ہی پال نے قوانین کو تعلیماتِ عیسیٰؑ سے بالکلیہ خارج اور ساقط کر دیا تھا اور مذہب کو صرف چند ناقابلِ فہم عقائد (Dogmas) تک محدود کر کے عملی زندگی، اخلاق اور قانون سے اس کا کوئی تعلق باقی نہ رکھا تھا۔ چنانچہ اگر دِقّتِ نظر سے دیکھا جائے تو تاریخی طور پر مذہبی یا "ریلیجس" اور دنیاوی یا "سیکولر" کی تقسیم دنیائے عیسائیت میں پہلے ہی موجود تھی۔ گذشتہ صدی کی سیکولرسٹ تحریک نے

اسے زیادہ علمی اور سائنٹیفک انداز میں زوردار طریقے سے پیش کیا۔ اس میں جہاں ایک طرف سیاسی جبر و استبداد اور استحصالی قوتوں کے خلاف آواز اٹھائی گئی، وہاں دوسری جانب مذہب اور مذہبی اندازِ فکر کی بجائے انسانی فکر اور سائنسی منہاج کو دنیاوی معاملات و مسائل کے حل و کشود، ترقی اور سماجی بہتری کے حصول کی کلید قرار دیا گیا۔ اگرچہ سیکولر تحریک سے منسلک اکثر مفکرین نے وجود باری تعالیٰ، آخرت اور دوسرے مذہبی عقائد کی علمی طور پر تردید نہیں کی، لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ انہوں نے ان معتقدات کو مثبت طور پر لائقِ اعتنا اور غور و فکر کے قابل بھی نہ جانا۔ اور یہ عدم توجہی کا رویّہ بھی بڑی حد تک مذہب کی نفی پر منتج ہوا۔

ایک اہم یورپی مفکر C.A. Van Peursen نے سیکولرازم کے نقطۂ نظر پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اس کے تین اہم عناصر یا نکات کی نشاندھی کی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں :—

1 Disenchantment of Nature

2. Desacralization of Politics

3 Deconsecration of values

پہلے عنصر کے مطابق کائنات کسی مافوق الفطرت ہستی کی پیدا کردہ نہیں اور نہ ہی اسے کسی اُلوہی ہستی سے وابستہ سمجھا جا سکتا ہے۔ دوسرے نکتے میں سماجی اور سیاسی مسائل اور قوانین کی مذہبی تقدس سے علیحدگی اور تیسرے نکتے میں اقدار اور بالخصوص اخلاقی اقدار کا بالکلیہ انسانی پسند و ناپسند پر انحصار اور خیر و شر کے مذہبی عقائد سے لاتعلق ہونا بیان کیا گیا ہے۔

گزشتہ صدی میں انگریز مفکر چارلس بریڈلا اور اس کے ساتھیوں کی الحاد پسندی اور اس صدی کے فلسفی ادیب وان پیورسین کی مندرجہ بالا تصریحات کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ پروفیسر وارث میر صاحب کے اس خیال میں کہ " یہ امر واقعی ہے کہ مغرب میں اس اصطلاح سے مذہب دشمنی یا لادینیت کبھی بھی مراد نہیں لیا گیا[1]" کیا صداقت رہ جاتی ہے۔

---

[1] مضمون : نوید فکر، ایک اہم سیاسی اصطلاح کا گمراہ کن مفہوم، قسط نمبر[1]، روزنامہ "جنگ" لاہور

ہے۔ اسلام، اس کے بنیادی معتقدات اور اساسی فکر کا شعور رکھنے والے ہر شخص کے لئے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ "ریلیجن" اور "سیکولرازم" کے الفاظ اور ان کے مخصوص معانی جو یورپی فکر اور زبانوں سے مختص ہیں، اسلام، عربی اور اسلامی علمی ذخیرے میں قطعاً نہیں پائے جاتے۔ یہ صرف مغربی تعلیم کا اثر اور مغربی تصوّرات کی سحر کاری ہے کہ ہمارے ملک کے بعض دانشور اور صحافی حضرات بھی اسلام کی وحدت میں مذہب اور سیکولر رویّے کی دوئی کے قائل نظر آتے ہیں۔ یہ حضرات شعوری یا غیر شعوری طور پر مذہب کا صرف ایک انتہائی محدود اور انفرادی زندگی یا رسمی عبادات (Prayers and rituals) سے متعلق دنیائے عیسائیت کا سا تصوّر رکھتے ہیں جس میں عقائد غیر محقق، ناقابلِ فہم اور توہمانہ ہوتے ہیں۔ اور کتنا صحیح کہا ہے فرانسس بیکن[1] نے کہ "توہم پرستی دہریت سے بدتر ہے۔ خدا کی نسبت بے اعتقادی ایسے اعتقاد کی نسبت بہتر ہے جو خدا کو ذلیل کرے اور اس کے شایانِ شان نہ ہو۔ پہلی حالت تو محض بے اعتقادی ہے اور دوسری خدا کی تذلیل و تحقیر۔ توہم پرستی بے اعتقادی کی نسبت زود تر بداخلاقیاں پیدا کرتی ہے۔ توہم پرستی مملکت کے لئے بھی خطرناک ہے۔ کیونکہ اس سے ایسی قوّتیں پیدا ہوسکتی ہیں جو مملکت کی قوّت سے بڑھ کر ہوں۔ اس حالت میں عقلمند مجبور ہوتے ہیں کہ احمقوں کی پیروی کریں۔"

سیکولرازم کے محولہ بالا تین مرکزی نکات کا اسلام سے تصادم و تخالف ملاحظہ فرمائیے:

ازروئے قرآن زندگی کے حوادث اور کائنات کے مظاہر انسان کو کسی حقیقتِ ازلی کی خبر دیتے ہیں۔ یہ آیات یا نشانیاں ہیں ان حقائق کی جو نظر سے اوجھل ہیں لیکن بصیرت پر منکشف ہوسکتے ہیں۔ آیاتِ قرآنی کی طرح قرآن نے مظاہرِ فطرت کو بھی آیات کہا ہے۔ کیونکہ یہ تمام نشانیاں ہیں جو ایک حکیم و رحیم خالق کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔ اور اس کا تقاضا

---

[1] فرانسس بیکن پیدائش ۱۵۶۱ء وفات ۱۶۲۶ء بحوالہ تاریخ فلسفۂ جدید، جلد اوّل ص: ۲۳۵

کرتی ہیں کہ انسان میں وہ نظر پیدا ہو جائے جو منظورِ حقیقی کو براہِ راست دیکھ سکے۔ اہلِ ایمان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ زمین و آسمان کی بناوٹ پر غور کرتے ہیں (یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ آل عمران: آیت ۱۹۱) ۔ اس اعتبار سے ایک سائنسدان وہی کام کرتا ہے جو ایک فطرتِ سلیم رکھنے والا شخص کرتا ہے۔ تاہم دونوں میں فرق یہ ہے کہ سائنسدان کا عمل صرف تحقیق و علم اور عملی ایجادات کے لیئے ہوتا ہے اور مومن کا عمل عبرت، عرفانِ حقیقت اور اثباتِ توحید کے لیئے۔ گویا سیکولرازم کے نقطۂ نظر کے برخلاف قرآن میں کائنات اور کائناتی واقعات کو ایمانی دعوت کے حق میں بطور استدلال پیش کیا گیا ہے۔ ایک سلیم الفطرت اور صاحبِ بصیرت انسان کو ساری کائنات صفاتِ خداوندی کا ظہور نظر آنے لگتی ہے۔

اسلام نے شرک اور اوہام کو ختم کر کے توحید کو غالب کیا اور اس طرح اس ذہن کو فروغ دیا جس نے عالمِ فطرت کی تحقیق کا راستہ کھولا۔ مسلمانوں کی سائنسی تحقیق اور ترقی کے سلسلے میں عقیدۂ توحید کی اہمیت کو بریفالٹ اور آرنلڈ ٹائن بی (۱۸۸۹ ۔ ۱۹۷۵) نے بھی واشگاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔

اب آئیے دوسرے اور تیسرے نکتے کی جانب۔ اسلام کے لیئے اصلاً قرآنی اصطلاح " دین " مستعمل ہے۔ جس کا مفہوم بہت وسیع اور ہمہ گیر بھی ہے اور نہایت گہرا اور وسیع الذیل بھی۔ تصورِ خدا اور دیگر ایمانیات سے لے کر انسانی زندگی انفرادیت اور اجتماعیت کے تمام پہلو اس کے اجزا ہیں۔ اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرت اور ریاست کے اصول بھی اس میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسلام دنیائے عیسائیت کے تصورِ مذہب کے مطابق چند فرسودہ عقائد (Dogmas) اور بے روح رسمی عبادتوں (Rituals) کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب خود بہت سے مغربی مفکرین اور مستشرقین ' دین ' کے لیئے 'A Complete code or way of life,' کی مفصل تشریحی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کا فکر اس مسئلے پر بالکل واضح اور راسخ العقیدہ جمہور مسلمانوں کے فہمِ اسلام کی پُرزور پیرائے میں تائید کرتا ہے۔ چنانچہ آپ کی اہم تصنیف ' اسلامک آئیڈیالوجی ' کے

ابتدائیے میں درج ذیل سطور لائق توجہ ہیں :

1. Islam was not satisfied with preaching only broad principles, it was considered essential to create a system and a discipline which should embody those principles in individual and social life. It is a complete code of life based on a definite out look on life.

2. The Muslims believe that the essentials of Islam are eternal and so is the system called Shariat. The belief of the auther is that the essential framework of the Shariat too, which can be studied from the teachings of the Quran and the authentic sayings and practices of the prophet, rests on eternal verities. It is a creed that can never become outworn

اسی طرح علّامہ اقبال علیہ الرحمہ پر اپنی ضخیم اور انتہائی وقیع کتاب ' فکرِ اقبال ' کے صفحہ ۶۸۲ پر رقم طراز ہیں :

" اسلام دین اور دنیاوی زندگی کی تقسیم و تفریق کا قائل نہیں۔ اس کی وحدت زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ دنیا کو ایک خاص زاویۂ نگاہ سے برتنا ہی دین ہے۔ "

خلیفہ صاحب کے انتقال کے بعد مرحوم جسٹس ایس اے رحمان کے پیش لفظ کے ساتھ شائع ہونے والی کتاب The prophet and His Message کے باب بعنوان ' اسلام اور ڈیموکریسی ' میں ایک آئیڈیل اسلامی ریاست اور ہیئت اجتماعیہ کے اہم خدوخال فاضل مصنّف نے چودہ نکات میں پیش کئے ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل تین موضوع زیرِ بحث کے اعتبار سے انتہائی اہم ہیں اور جو خلیفہ صاحب کی اصابتِ رائے پر دالّ ہیں۔

1. Sovereignty belongs to God alone whose chief attributes are wisdom, justice and love. He desires human beings to assimilate there attributes in their thoughts, words and deeds.

2. An Islamic state is not theocratic but ideological. The rights and duties of its citizens shall be determined by the extent to which they identify themselves with this ideology.

3. There shall be no special class of priests in an Islamic

society though persons leading better religious life and possessing better knowledge of religious affairs have a legitimate claim to honour They shall enjoy no special privileges legal or economic.

اختتامی پیراگراف میں لکھتے ہیں:

These are the fundamentals of an Islamic constitution that are unalterable. No ruler or no majority possesses any right to tamper with them or alter them. This is eternal Islam rooted in the God-Centred humanity.

ہمارے ہاں کے بعض دانشور جو بزعم خویش روشن خیال، بالغ نظر، بیدار مغز اور ترقی پسند بننا یا کہلوانا چاہتے ہیں قرآن اور نبی اکرمؐ کی تعلیمات میں جمود اور ناگوار قطعیت کے نشان نظر آتے ہیں لیکن سطور بالا میں خلیفہ عبدالحکیم اسلام کے اساسی احکام کو غیر تبدل (Unalterable) قرار دے رہے ہیں۔ اور جمہور کو بھی ان میں کسی تبدیلی کا مجاز قرار نہیں دیتے۔ اسی طرح یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ قانون، ریاست اور حکومت کے معاملات میں دین کے عمل دخل کا لازمی نتیجہ تاریخی طور پر دنیائے عیسائیت کی تھیوکریسی ہے۔ حالانکہ یہ بات علمی طور پر قطعاً غلط اور لغو ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کے اوپر دیئے گئے انگریزی اقتباسات سے بھی اس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ اردو میں ان کی مزید تشریح خود اُن ہی کے الفاظ میں سُنئے۔ تاکہ کسی کو میری ترجمانی پر اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ "فکر اقبال" کے صفحہ ۲۸۲ پر رقمطراز ہیں:

"اسلام کے نزدیک مملکت وحدت آفرینی کی کوشش اور روحانیت کو عملی جامہ پہنانے کا ایک وسیلہ ہے۔ اسلام فقط انہی معنوں میں تھیوکریسی یا دینی مملکت ہے۔ اسلام کو تھیوکریسی کے عیسوی اور مغربی مفہوم سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہمارے ہاں پاپائے معصوم وآمر اور کلیسا اور پروہتوں کا نظام نہیں جو مغربی انداز کی تھیوکریسی پیدا کر سکے"

The prophet and His Message کے باب بعنوان Law and Islam کا درج ذیل اقتباس اسلام اور سیکولرازم کے موضوع پر خلیفہ صاحب کا واضح ترین علمی موقف ہے جس کا مطلب بالکل صاف اور ہر ابہام اور شک و شبہ سے بالاتر ہے

Islam without being a theocracy in the sense in which the West uses this word insisted on the common foundation

of religion, morality and law. In Islamic society, law cannot be secular in the sense that it should renounce any connection with religion. For a Muslim religion is an all-comprehensive reality.

Personal morality, social relationship, private law, public law, inter-faith or international relations must be justified or referred back to the fundamentals of Islam.

سیکولرازم کے حامی انسانی زندگی اور معاشرت کے مسائل عقل، سائنس اور سائنسی منہاج کے ذریعے حل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر وارث میر صاحب محولا بالا مضمون میں لکھتے ہیں:

"(سیکولرازم) سے مراد ایک ایسا سیاسی یا معاشرتی نظام لیا جاتا رہا ہے جس کی اساس مذہبی امتیازات اور عقائد کی بجائے سائنس اور عقل پر ہو (اور اسلام سائنس کے خلاف نہیں ہے)"

لاریب، اسلام سائنس اور عقل کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ لیکن کیا اسلام اس کی اجازت دے گا کہ اس کے پیش کردہ واضح دینی تصورات اور صریح احکامات میں بھی آپ اپنی عقل اور سائنس کا استعمال شروع کر دیں۔ اس صورت میں مذہب اور "سائنٹزم Scientism" میں کیا فرق رہ جائے گا۔ اور کاش کہ پروفیسر صاحب سائنس اور سائنٹیفک منہاج کے بارے میں جدید مفکرین بالخصوص سوشل نقاد لوئیس ممفوڑ اور فرانسیسی ماہرین سائنس و اجتماعیات رینے ڈوبو اور ریاک ایلل کے خیالات پڑھ لیں تو ان پر تازہ ترین صورتِ حال کا انکشاف ہو۔ یہ بات گزشتہ صدی کی ہے جب سائنس اور سائنٹفک منہاج کے علمبرداروں کا خیال تھا کہ یہ طریق تحقیق ان کے ہر عقدے اور ہر مسئلے کے حل میں ممد ہوگا۔ ان کا خیال تھا کہ سائنس کی ترقی لامحدود ہے اور اس کے ذریعے انسان ایک آئیڈیل معاشرہ اور پرسکون زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن موجودہ صدی کے وسط میں دنیا کے عظیم دانشوروں اور اہلِ سائنس نے اقرار کر لیا ہے کہ یہ سب خوش فہمی تھی۔ سائنس ۔ ٹیکنالوجی ۔ پروگریس ۔ اقتصادی ترقی ۔ ڈویلپمنٹ اور جدیدیت پر مشتمل جو لائحہ عمل مغربی فلاسفہ اور اہلِ دانش نے اپنے لئے تجویز کیا تھا۔ اب بہت سے اہلِ عقل و بصیرت کو دعوتِ فکر دے رہا

ہے اور ان کی سوچ میں ایک بنیادی تبدیلی کا متقاضی ہے۔ چنانچہ اب متعدد مفکرین اس امر کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں کہ طبیعی علوم اور سائنٹفک منہاج کو دوبارہ مابعد الطبیعات سے مربوط کیا جائے۔ پچھلی صدی کے سائنسی علمیاتی نظریات میں اقدار، مذہبی جذبات اور مابعد الطبیعاتی افکار کو بالکل فرسودہ اور غیر متعلق تصوّر کیا گیا تھا لیکن منہاجیات کے موضوع پر گزشتہ دس پندرہ سالوں کے دوران جو اہم مقالات شائع ہوئے ہیں ان میں گزشتہ صدی سے رائج وحدانی اور لاقدری (Value-free or positivistic) قسم کا منہاج شدید تنقید کا نشانہ بنا ہے۔ ان جدید مفکّرین کا خیال ہے کہ علم کے منہاج کو وسیع النظری کے ساتھ کسی سوسائٹی کے تہذیبی اور دینی خیالات کو استعمال کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیئے۔ ان مفکّرین میں پال فیرآبنڈ، اوین ہائمر، شوڈنگر اور فرتھ جوف کاپرا کے نام سرِفہرست ہیں۔ اب یہ بڑے پیمانے پر تسلیم کیا جا رہا ہے کہ مغربی سائنس، اس کی مادّہ پرستانہ تہذیب اور اس کے ملحدانہ علمی منہاج نے انسانیت کے قافلے کو ذہنی امن و سکون اور صحت مند ترقّی کی بجائے الٹا نقصان پہنچایا ہے اور تباھی کی طرف دھکیلا ہے۔ یورپ کے بعد اب امریکہ کے بعض دانشور بھی 'جدیدیت' اور 'سائنٹفک ترقی' جیسے تصوّرات کی محدودیت اور نقائص کے قائل ہوتے جا رہے ہیں۔

اور عقلِ انسانی کا معاملہ جس پر سیکولرازیشن کے حامی تکیہ کرتے ہیں، کیا مختلف ہے؟ بقول علّامہ اقبال رحؒ

'عقل عیّار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے'

کیا فرائڈ نے اس حقیقت کو مبرھن نہیں کر دیا کہ عقل طبیعی یا عقل جُزئی حیوانی سطح اسفل اکثر رہے جذبات، مرغوباتِ نفس اور تعصّبات کی غلامی کرتی ہے۔ یہ مادیات اور طبیعات میں محصور خرد انسان کو تشکیک اور تذبذب کی بھول بھلیوں سے نہیں نکال سکتی۔ انسانی عقل کو جو اپنے محدود مشاھدات اور تجربات سے اصولِ حیات اور نظریہ حقیقت کا استقرار کرنا چاہتی ہے، نہ آدم کی روح ملکوتی اور اس کے لامحدود امکانات کا ارتقا سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ نبی کی نبوّت۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان اور تزکیہ نفس ہی سے عقل میں وہ رُوحانی تنویر پیدا ہوتی ہے جو اسے شہوات کی غلامی اور حیلہ گری سے نجات دلاتی ہے۔ مغرب کی تعلّی آمیز اور مائل بہ الحاد عقلیت ہی سے بیزار ہو کر شاعرِ مشرق

علامہ اقبالؒ نے انسانی عقلِ محدود کو الحاد آفریں، بہانہ جو اور فسوں گر کہا ہے۔ اور اس کی کوتاہ نظری اور حقیقت نارسی کا بیان مختلف پیراؤں میں کیا خوب کیا ہے:

؎ خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے

؎ علاج آتشِ رُومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

؎ ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے
وہ آنکھ کہ ہے سُرمۂ افرنگ سے روشن
پُرکار و سخن ساز ہے نم ناک نہیں ہے

اور ؎ تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
میری دانش ہے افرنگی مرا ایمان ہے زناری!

خلیفہ عبدالحکیم مرحوم جو خود علامہ اقبالؒ کی طرح قدیم اور جدید تفلسف میں تربیت یافتہ تھے اور عذابِ دانشِ حاضر سے پوری طرح باخبر اور سوختۂ نارِ افرنگ تھے، اپنی تصانیف میں تکرار اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ یورپ اور مغربی سائنس کے پاس محدود عقل و خرد کے سوا کوئی ذریعۂ علم نہیں ہے۔ اور خرد کے نظریات ہر دم متغیر اور باہم متصادم رہتے ہیں۔ چنانچہ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ خود انہیں علمی و فکری اماں بھی تو عارف رومیؒ کے "اختلاطِ ذکر و فکر" میں۔

پروفیسر وارث میر صاحب نے سیکولرازم کا فلسفہ اور استدلال پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر حسین نصر کے افکار پر بھی گرفت کی ہے۔ اس بحث کو کسی دوسری نشست کے لئے مؤخر کرتے ہوئے آخر میں اُن کے ایک خیال کی تصحیح ضروری سمجھتا ہوں۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:-

"مسلمانوں نے دنیاوی ترقی کی خواہش کو مغربیت کا متبادل تصور کر لیا۔ لفظ دنیا سے نفرت ہی لفظ سیکولرازم سے نفرت کی بنیاد بنا۔"

حقیقت یہ ہے کہ معاملہ صرف الفاظ کا نہیں ان کے مفاہیم اور پس پردہ نظریات کا ہے۔ سطور بالا میں میں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ سیکولرازم کسی طور بھی اسلام کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔ اسلام دنیاوی اور سائنسی ترقی کے نہ کبھی ماضی میں آڑے آیا ہے اور نہ آج ہے۔ دنیاوی ترقی کا کوئی پہلو اس وقت غیر مطلوب ہے جب وہ مسلمان کو اپنی حقیقت اور باطنی شخصیت کی طرف سے غافل کر دے اور اپنے خالقِ حقیقی سے بھی محجوب کر دے۔

جہاں تک حُریّتِ فکر اور ارتقاءِ حیات و تمدّنِ انسانی کے پیشِ نظر "خرد افروزی" فکرِ نو اور اجتہاد کا سوال ہے میں سمجھتا ہوں کہ قرآن و سنّت نے اس باب میں ہماری سوچ اور ذہن کے عمل دخل اور کارفرمائی کے لیے بڑی کھلی گنجائش فراہم کی ہے۔ ایک طرف دین کے صریح اوامر ہیں جن میں فرض، واجب، سنّت مؤکّدہ اور سنّتِ غیر مؤکّدہ کی تخصیص اور درجہ بندی ہے اور دوسری طرف صریح اور منصوص تحریمات ہیں جنہیں مکروہاتِ تحریمی اور مکروہاتِ تنزیہی شامل ہیں جو اگرچہ حرامِ مطلق نہیں۔ ان دو فصیلوں کے درمیان مباحات کا ایک وسیع دائرہ ہے جہاں مسلمان جمہور اپنے لیجسلیٹو یعنی قانون ساز اختیار استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی میں یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ یہ اجتہادی فکرِ نو پروفیسر وارث میر صاحب کی رائے کے برعکس "سیکولر" نہیں ہوتا کیونکہ صدقِ دل سے کلمۂ توحید اور اثباتِ رسالت کے بعد ایک مومن صادق کی شرح اور نظر قولِ رسولؐ کے مطابق ایمانی اور نورانی ہو جاتی ہے۔ (اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ)۔

جو لوگ اسلام کی اساسات، اس کے تہذیبی ڈھانچے اور متفقہ و مسلّم قانونی پہلو میں ترقی پسندانہ روشن اور بگ ٹٹ جدیدیت کے علمبردار ہیں ان کے علم میں یہ بات رہنی چاہیئے کہ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر دنیائے اسلام میں اسی قسم کا فکری انقلاب لانا چاہتے ہیں جو موجودہ صدی میں بعض "روایت شکن" دانشوروں اور ادیبوں کی تحریروں سے مغرب میں آیا جن میں روڈلف بلٹمان، بون ہوئے فر، پال ٹلک، بشپ آف وولچ جان رابنسن، ایسٹائر کی اور دوسرے بہت سے مفکرین اور ادیب شامل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ان جدید افکار کے زیر اثر عیسائیت میں سے ایک مابعد الطبیعاتی مذہبی روایت کی حیثیت سے بچی کھچی

روح بھی نکل گئی اور وہ ایک کلچرل دکلٹ، کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ چنانچہ مسیحی دنیا میں اب دڈیتھ آف گاڈ تھیالوجی، اور خدا کے وجود پر ایمان و یقین کے بغیر کرسچیَن یقین (Faith) کے موضوع پر کتابیں اور مقالات لکھے جارہے ہیں۔ اور عملی اعتبارات سے ہر قسم کی اخلاقی و جنسی بے راہ روی کے لئے سندِ جواز فراہم کیا جارہا ہے۔ ہمارے مسلمان دانشوروں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عیسائیت کے بر خلاف قرآن اور اسلام کی تعلیمات بالکل واضح، فطری اور عقلِ سلیم کے عین مطابق ہیں۔ ان میں متھس (Myths) کا شائبہ تک نہیں جن کی متھ شکنی (Demytholigizing) کے لئے کسی روڈلف بلٹمان کی ضرورت پڑے ::

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے زیرِ اہتمام

قرآن اکیڈمی کے بعد اب

قرآن کالج اور آڈیٹوریم

انجمن خدام القرآن کے مقاصد اور لائحہ عمل سے آگہی اور اتفاق رکھنے والے مخیّر خواتین و حضرات یہ جان کر مسرّت محسوس کریں گے کہ نیو گارڈن ٹاؤن لاہور کے اتاترک بلاک میں لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی سے حاصل کردہ پلاٹ نمبر اے۔ ۱۹۱ پر مجوزہ قرآن کالج اور آڈیٹوریم کی تعمیر کا کام پورے زور و شور اور قرینے سے شروع ہو چکا ہے۔ شاندار اور جدید ترین تصریحات کے مطابق آڈیٹوریم مروّجہ آرکیٹیکچر اور ملک کے ایک ممتاز سٹرکچرل ڈیزائنر کی کاوش کا مظہر ہے جو نو سو (۹۰۰) نشستوں پر مشتمل ہوگا اور اس اعتبار سے شاید اپنی نوعیّت کا پہلا آڈیٹوریم ہو کہ یہ صرف اور صرف قرآن حکیم کے پیغام کی نشر و اشاعت کے لیے مخصوص ہوگا۔

تفصیلی تعارف کی ضرورت محسوس ہو تو بروشر طلب فرمائیے۔ عطیات جو حکومت پاکستان مالیات و ریونیو ڈویژن دفعہ (۱)(۱) ۴۷ کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں بذریعہ کراس چیک یا بینک ڈرافٹ (لاہور سے باہر سے آرڈر) مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے نام ارسال کیے جائیں۔

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور
۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور
ٹیلی فون: ۸۵۲۶۸۳- اور ۸۵۲۶۱۱